

لِكُلِّ بَابٍ مِنْهُمْ جُزْءٌ مَقْسُومٌ ۝ إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي۝
 جَنَّتٍ وَعِيُونٍ ۝ أَدْخُلُوهَا بِسْلِمٍ أَمْنِينَ ۝ وَنَزَعْنَا
 مَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ عِلْمٍ إِخْوَانًا عَلَى سُرُرٍ مُتَقْبِلِينَ ۝
 لَا يَمْسِهِمْ فِيهَا نَصْبٌ وَمَا هُمْ مِنْهَا بِمُخْرَجِينَ ۝
 نَتَّئِعُ عِبَادِي أَنِّي أَنَا الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۝ وَأَنَّ عَذَابِي

ہر دروازے کے لیے ان میں سے ایک حصہ مخصوص کر دیا گیا ہے [۲۶] بخلاف اس کے مقی لوگ [۲۷] باغوں اور چشمون میں ہوں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ داخل ہو جاؤ ان میں سلامتی کے ساتھ بے خوف و خطر۔ ان کے دلوں میں جو تھوڑی بہت کھوٹ کپٹ ہو گی اسے ہم نکال دیں گے، [۲۸] وہ آپس میں بھائی بھائی بن کر آئے سامنے تھتوں پر بیٹھیں گے۔ انھیں نہ وہاں کسی مشقت سے پالا پڑے گا اور نہ وہاں سے نکالے جائیں گے۔

اے نبی، میرے بندوں کو خبر دے دو کہ میں بہت درگزر کرنے والا اور حیم ہوں۔ مگر اس کے ساتھ میرا عذاب

[۲۶] جہنم کے یہ دروازے ان گمراہیوں اور معصوموں کے لحاظ سے ہیں جن پر چل کر آدمی اپنے لیے دوزخ کی راہ کھوتا ہے۔ مثلاً کوئی دہریت کے راستے سے دوزخ کی طرف جاتا ہے، کوئی شرک کے راستے سے، کوئی نفاق کے راستے سے، کوئی نفس پرستی اور فسق و غور کے راستے سے، کوئی ظلم و تم اور خلق آزاری کے راستے سے، کوئی تبلیغ ضلالت اور اقامت کفر کے راستے سے، اور کوئی اشاعت فحشاء و منکر کے راستے۔ { جس شخص کا جو صفت زیادہ نہیاں ہو گا اسی کے لحاظ سے جہنم کی طرف جانے کے لیے اس کا راستہ معین ہو گا }۔

[۲۷] یعنی وہ لوگ جو شیطان کی پیروی سے بچ رہے ہوں اور جنہوں نے اللہ سے ڈرتے ہوئے عبیدیت کی زندگی بر سر کی ہو۔

[۲۸] یعنی نیک لوگوں کے درمیان آپس کی غلط فہمیوں کی بنا پر دنیا میں اگر کچھ کدورتیں پیدا ہو گئی ہوں گی تو جنت میں داخل ہونے کے وقت وہ دور ہو جائیں گی اور ان کے دل ایک دوسرے کی طرف سے بالکل صاف کر دیے جائیں گے۔ (مزید تشریح کے لیے ملاحظہ ہو سورہ اعراف، حاشیہ ۳۲)

[۲۹] اس کی تشریح اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں حضور نے خبر دی ہے کہ بقال لائل الجنۃ ان لكم ان تصحووا لا تمرضوا ابداً، وان لكم ان تعیشو فلا تموتوا ابداً، وان لكم ان تشبوا ولا تهرموا ابداً، وان لكم ان تقیموا فلا تطعنوا ابداً۔ یعنی ”اہل جنت سے کہہ دیا جائے گا کہ اب تم ہمیشہ تدرست رہو گے، کبھی بیمار نہ پڑو گے۔ اور اب تم ہمیشہ زندہ رہو گے، کبھی موت تم کونہ آئے گی۔ اور اب تم ہمیشہ جوان رہو گے، کبھی بڑھا پاتم پر نہ آئے گا۔ اور اب تم ہمیشہ مقیم رہو گے، کبھی کوچ کرنے کی تھیں ضرورت نہ ہو گی۔“ اس کی مزید تشریح اُن آیات و احادیث سے ہوتی ہے جن میں بتایا گیا ہے کہ جنت میں انسان کو اپنی معاش اور اپنی ضروریات کی فراہمی کے لیے کوئی محنت نہ کرنی پڑے گی، سب کچھ اسے بلا سُقی و مشقت ملے گا۔

هُوَ الْعَذَابُ الْأَكِيدُرُ ۝ وَنَيَّئُهُمْ عَنْ ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ ۝
 إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلَامًا ۝ قَالَ إِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُونَ ۝
 قَالُوا لَا تَوْجَلْ إِنَّا نَبْشِرُكَ بِعِلْمٍ عَلَيْهِ ۝ قَالَ أَبَشْرَتُمْنِي
 عَلَىٰ أَنْ مَسَّنِيَ الْكِبَرُ فِيمَ تَبَشَّرُونَ ۝ قَالُوا بَشَّرْنَاكَ
 بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِنَ الْقُنْطِيلِينَ ۝ قَالَ وَمَنْ يَقْنَطُ مِنْ رَحْمَةِ
 رَبِّهِ إِلَّا الصَّابُونَ ۝ قَالَ فَهَا خُطْبَكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ۝

بھی نہایت دردناک عذاب ہے۔

اور انھیں ذرا ابراہیم کے مہماں کا قصہ سناؤ۔ [۳۰] جب وہ آئے اُس کے ہاں اور کہا ”سلام ہو تم پر“ تو اُس نے کہا ”ہمیں تم سے ڈرگتا ہے۔“ [۳۱] انہوں نے جواب دیا ”ڈر نہیں، ہم تمہیں ایک بڑے سیانے لڑکے کی بشارت دیتے ہیں۔“ [۳۲] ابراہیم نے کہا ”کیا تم اس بڑھاپے میں مجھے اولاد کی بشارت دیتے ہو؟ ذرا سوچ تو سہی کہ یہ کیسی بشارت تم مجھے دے رہے ہو؟“ انہوں نے جواب دیا ”ہم تمہیں برحق بشارت دے رہے ہیں، تم مایوس نہ ہو۔“ ابراہیم نے کہا ”اپنے رب کی رحمت سے مایوس تو گراہ لوگ ہی ہوا کرتے ہیں۔“ پھر ابراہیم نے پوچھا ”اے فرستادگان الہی، وہ مم کیا ہے جس پر آپ حضرات تشریف لائے ہیں؟“ [۳۳]

[۳۰] یہاں حضرت ابراہیم اور ان کے بعد موصلا قوم لوٹ کا قصہ جس غرض کے لیے نایا جا رہا ہے اُس کو سمجھنے کے لیے اس سورہ کی ابتدائی آیات کو زگاہ میں رکھنا ضروری ہے۔ آیات ۷، ۸ میں کفار مکہ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ وہ نبی ﷺ سے کہتے تھے کہ ”اگر تم سچ نبی ہو تو ہمارے سامنے فرشتوں کو لے کیوں نہیں آتے؟“ اس کا مختصر جواب وہاں صرف اس قدر دے کر چھوڑ دیا گیا تھا کہ ”فرشوں کو ہم یوں نہیں اتنا دیا کرتے، انہیں تو ہم جب سمجھتے ہیں حق کے ساتھ ہی سمجھتے ہیں۔“ اب اُس کا مفصل جواب یہاں ان دونوں قصوں کے پیڑائے میں دیا جا رہا ہے۔ یہاں انہیں بتایا جا رہا ہے کہ ایک ”حق“ تو وہ ہے جسے لے کر فرشتے ابراہیم کے پاس آئے تھے، اور دوسرا حق وہ ہے جسے لے کر وہ قوم لوٹ پر پہنچے تھے۔ اب تم خود یہ لوک تمہارے پاس ان میں سے کون ساتھ لے کر فرشتے آ سکتے ہیں۔ ابراہیم والے حق کے لائق تو ظاہر ہے کہ تم نہیں ہو۔ اب کیا اُس حق کے ساتھ فرشتوں کو بلوانا چاہتے ہو جسے لے کر وہ قوم لوٹ کے ہاں نازل ہوئے تھے؟

[۳۱] مقابل کے لیے ملاحظہ ہو سورة ہود، رکوع ۷ مع حواشی۔

[۳۲] یعنی حضرت اسحاق کے پیدا ہونے کی بشارت، جیسا کہ سورہ ہود میں بصراحت بیان ہوا ہے۔

[۳۳] حضرت ابراہیم کے اس سوال سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ فرشتوں کا انسانی شکل میں آنا ہیشہ غیر معمولی حالات ہی میں ہوا کرتا ہے اور کوئی بڑی مہم ہی ہوتی ہے جس پر وہ سمجھے جاتے ہیں۔

قَالُوا إِنَّا أُرْسَلْنَا إِلَى قَوْمٍ مُّجْرِمِينَ فَإِلَّا أَلَّوْطٌ إِنَّا
لَهُنَّ جُوْهُمْ أَجْمَعِينَ فَإِلَّا امْرَأَتَهُ قَدَرَنَا لَا إِنَّهَا لِئِنَّ الْغَيْرِينَ^{۳۴}
فَلَمَّا جَاءَهُ أَلَّوْطٌ إِلَيْهِ الرَّسُولُونَ قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُونَ^{۳۵}
قَالُوا بَلْ حَذِنَنَا بِمَا كَانُوا فِيهِ يَمْتَرُونَ وَأَتَيْنَاكُمْ
بِالْحَقِّ وَإِنَّا لَضِدٍ قَوْنَ^{۳۶} فَأَسْرِرْ بِأَهْلِكَ بِقِطْعَةٍ مِّنَ الَّيْلِ
وَأَتَيْنَاهُمْ وَلَا يَلْتَفِتُ مِنْكُمْ أَحَدٌ وَأَمْضُوا حَيْثُ

وہ بولے، ”ہم ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں۔“ [۳۳] صرف لوٹ کے گھروائے متثنی ہیں، ان سب کو ہم بچالیں گے، ہوائے اُس کی بیوی کے جس کے لیے (اللہ فرماتا ہے کہ) ہم نے مقدر کر دیا ہے کہ وہ پیچھے رہ جانے والوں میں شامل رہے گی۔“ [۳۴]
پھر جب یہ فرستادے لوٹ کے ہاں پہنچے [۳۵] تو اُس نے کہا ”آپ لوگ اجنبی معلوم ہوتے ہیں۔“ [۳۶] انہوں نے جواب دیا، ”نہیں، بلکہ ہم وہی چیز لے کر آئے ہیں جس کے آنے میں یہ لوگ شک کر رہے تھے۔ ہم تم سے سچ کہتے ہیں کہ ہم حق کے ساتھ تھارے پاس آئے ہیں۔ لہذا اب تم کچھ رات رہے اپنے گھروائوں کو لے کر نکل جاؤ اور خود ان کے پیچھے پیچھے چلو۔“ [۳۷] تم میں سے کوئی پلٹ کرنہ دیکھے۔ [۳۸] بس سیدھے چلے جاؤ جدھر جانے کا تمہیں

[۳۲] اشارے کا یہ اختصار صاف تارہا ہے کہ قوم لوٹ کے جرام کا پیمانہ اس وقت اتنا لبریز ہو چکا تھا کہ حضرت ابراہیم جسے باخبر آدمی کے سامنے اس کا نام لینے کی قطعاً ضرورت نہ تھی، بلکہ ”ایک مجرم قوم“ کہہ دینا بالکل کافی تھا۔

[۳۵] تقابل کے لیے ملاحظہ ہو سورہ اعراف، رکوع ۱۰ اور سورہ ہود، رکوع ۷۔

[۳۶] یہاں بات مختصر بیان کی گئی ہے۔ سورہ ہود میں اس کی تفصیل یہ ہے کہ ان لوگوں کے آنے سے حضرت لوٹ بہت گھبرائے اور سخت دل تنگ ہوئے اور ان کو دیکھتے ہی اپنے دل میں کہنے لگے کہ آج برا سخت وقت آیا ہے۔ اس گھبرائی کی وجہ جو قرآن کے بیان سے اشارتاً اور روایات سے صراحتاً معلوم ہوتی ہے، یعنی کہ یہ فرشتہ نہایت خوب صورت لڑکوں کی شکل میں حضرت لوٹ کے ہاں پہنچتے۔ اور حضرت لوٹ اپنی قوم کی بدمعاشی سے واقف تھے، اس لیے آپ سخت پریشان ہوئے کہ آئے ہوئے مہماںوں کو واپس بھی نہیں کیا جاسکتا، اور انہیں ان بدمعاشوں سے بچانا بھی مشکل ہے۔

[۳۷] یعنی اس غرض سے اپنے گھروائوں کے پیچھے چلو کر ان میں سے کوئی ٹھیک نہ پائے۔

[۳۸] اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ پلٹ کر دیکھتے ہی تم پتھر کے ہو جاؤ گے، جیسا کہ باخصل میں بیان ہوا ہے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ پیچھے کی آوازیں اور شور و غل من کرتا شاد کیخنے کے لیے نہ ٹھیک جانا۔ یہ نہ تماشا دیکھنے کا وقت ہے، اور نہ مجرم قوم کی بلاکت پر آنسو ہہانے کا۔ ایک لمحہ بھی اگر تم نے مذب قوم کے علاقے میں دم لے لیا تو بعد نہیں کہ تمہیں بھی اس بلاکت کی بارش سے کچھ گزندہ بیٹھ جائے۔

۴۵ ۷۹ مُرْوَنَ وَقَضَيْنَا إِلَيْهِ ذَلِكَ الْأَمْرَ أَنَّ دَإِرَهُوا لَمْ يَقْطُعْ
 ۴۶ مُصِحِّينَ ۷۹ وَجَاءَ أَهْلُ الْهَدِيَّةِ يَسْتَبِّشُونَ ۷۹ قَالَ إِنَّ
 ۷۹ هَوَلَاءُ ضَيْفٍ فَلَا تَقْضَحُونَ ۷۹ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَلَا تُخْزُونَ ۷۹
 ۷۹ قَالُوا وَلَمْ نَتَهَكَ عَنِ الْعُلَمَاءِ ۷۹ قَالَ هَوَلَاءُ بَنْتِي إِنْ
 ۷۹ كُنْتُمْ فَعِيلِينَ ۷۹ لَعَمْرُكَ إِنْهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ ۷۹

حکم دیا جا رہا ہے۔ اور اسے ہم نے اپنا یہ فیصلہ پہنچا دیا کہ صحیح ہوتے ہوتے ان لوگوں کی ہڑکات دی جائے گی۔

[۳۹] اتنے میں شہر کے لوگ خوشی کے مارے بیتاب ہو کر لوٹ کے گھر چڑھائے۔ [۳۹] لوٹ نے کہا ”بھائیو، یہ میرے مہمان ہیں، میری فضیحت نہ کرو، اللہ سے ڈرو، مجھے رسوانہ کرو۔“ وہ بولے ”کیا ہم بارہ تھمیں منع نہیں کر سکتے ہیں کہ دنیا بھر کے ٹھیکے دار نہ بنو؟“ لوٹ نے عاجز ہو کر کہا ”اگر تمھیں کچھ کرنا ہی ہے تو یہ میری بیٹیاں موجود ہیں!“ [۴۰] تیری جان کی قسم اے نبی، اس وقت ان پر ایک نشہ سا چڑھا ہوا تھا جس میں وہ آپ سے باہر ہوئے جاتے تھے۔

[۴۹] اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس قوم کی بد اخلاقی کس حد تک پہنچ چکی تھی۔ بستی کے ایک شخص کے ہاں چند خوب صورت مہمانوں کا آ جانا اس بات کے لیے کافی تھا کہ اس کے گھر پر ادب اشوں کا ایک جھوم امنڈ آئے اور علانیہ وہ اس سے مطالہ کریں کہ اپنے مہمانوں کو بد کاری کے لیے ہمارے حوالے کر دے۔ ان کی پوری آبادی میں کوئی ایسا غصر باقی نہ رہا تھا جو ان حرکات کے خلاف آواز اٹھاتا، اور نہ ان کی قوم میں کوئی اخلاقی حس باقی رہ گئی تھی جس کی وجہ سے لوگوں کو علی الاعلان یہ زیادتیاں کرتے ہوئے کوئی شرم محوس ہوتی۔ حضرت لوٹ جیسے مقدس انسان اور معلم اخلاق کے گھر پر بھی جب بدمعاشوں کا حملہ اس بے باکی کے ساتھ ہو سکتا تھا تو اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ عام انسانوں کے ساتھ ان بستیوں میں کیا کچھ ہو رہا ہوگا۔

[۴۰] اس کی تشریح سورہ ہود کے حاشیہ ۷۸ میں بیان کی جا چکی ہے۔ یہاں صرف اتنا اشارہ کافی ہے کہ یہ کلمات ایک شریف آدمی کی زبان پر ایسے وقت میں آئے ہیں جب کہ وہ بالکل نگاہ چکا تھا اور بدمعاش لوگ اس کی ساری فریاد و فغاں سے بے پرواہ ہو کر اس کے مہمانوں پر ٹوٹے پڑ رہے تھے۔

اس موقع پر ایک بات کو صاف کر دینا ضروری ہے۔ سورہ ہود میں واقع جس ترتیب سے بیان کیا گیا ہے اس میں یہ تصریح ہے کہ حضرت لوٹ کو بدمعاشوں کے اس حملہ کے وقت تک یہ معلوم نہ تھا کہ ان کے مہمان درحقیقت فرشتے ہیں۔ وہ اس وقت تک یہی سمجھ رہے تھے کہ یہ چند مسافر لڑکے ہیں جو ان کے ہاں آ کر ٹھیک رہے ہیں۔ انہوں نے اپنے فرشتہ ہونے کی حقیقت اس وقت کھوئی جب بدمعاشوں کا جھوم مہمانوں کی قیام گاہ پر پڑا اور حضرت لوٹ نے تڑپ کر فرمایا: لَوْلَانِ لَبِيْ بَكُنْمُ فُوَّأْوَى إِلَى رُكْنِ شَدِيدِه ”کاش مجھے تمہارے مقابلے کی طاقت حاصل ہوتی یا میرا کوئی سہارا ہوتا جس سے میں حمایت حاصل کرتا۔“ اس کے بعد فرشتوں نے ان سے کہا کہ اب تم اپنے گھر والوں کو لے کر یہاں سے نکل جاؤ اور ہمیں ان سے نہیں کے لیے چھوڑ دو۔ واتا گات کی اس ترتیب کو نگاہ میں رکھنے سے

فَآخَذَهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِينَ ۝ فَجَعَلْنَا عَالَيْهَا سَافِلَهَا
وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِنْ سِجِّيلٍ ۝ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَذِيْتٍ
لِلْمَتَوَسِّمِينَ ۝ وَإِنَّهَا لِسَبِيلٍ مُقِيمٍ ۝ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَذِيْةً
لِلْمَوْمِينِ ۝ وَإِنْ كَانَ أَصْحَبُ الْأَيْكَةِ لَظَلَمِيْنَ ۝ ۴۷
فَإِنْتَقَمْنَا مِنْهُمْ وَإِنَّهُمَا لِيَامًا مِرْمَيْنِ ۝ وَلَقَدْ كَذَّبَ هَاجِئِيْنِ

آخر کار پوچھتے ہی ان کو ایک زبردست دھماکے نے آلیا اور ہم نے اس بستی کو تل پٹ کر کے رکھ دیا اور ان پر کپی ہوئی
منی کے پھروں کی بارش بر سادی۔ [۲۱]

اس واقعے میں بڑی نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو صاحب فراست ہیں۔ اور وہ علاقہ (جہاں یہ واقع
پیش آیا تھا) گز رگاہ عام پر واقع ہے، [۲۲] اُس میں سامان عبرت ہے اُن لوگوں کے لیے جو صاحب ایمان ہیں۔
اور ایکہ [۲۳] والے ظالم تھے، تو دیکھ لو کہ ہم نے بھی ان سے انتقام لیا، اور ان دونوں قوموں کے اجرے
ہوئے علاقے کھل راستے پر واقع ہیں۔ [۲۴]

پورا اندازہ ہو سکتا ہے کہ حضرت اوط نے یہ الفاظ اس سیکھ موقع پر عاجز آ کر فرمائے تھے۔ اس سورے میں چونکہ واقعات کو ان کی ترتیب
وقوع کے لحاظ سے نہیں بیان کیا جا رہا ہے، بلکہ اُس خاص پہلو کو خاص طور پر نمایاں کرنا مقصود ہے جسے ذہن نشین کرنے کی خاطر ہی یہ قصہ
یہاں نقل کیا گیا ہے، اس لیے ایک عام ناظر کو یہاں یہ غلط فہمی پیش آتی ہے کہ فرشتے ابتداء میں اپنا تعارف حضرت اوط سے کراچکے تھے
اور اب اپنے مہمانوں کی آبرو بچانے کے لیے ان کی یہ ساری فریاد و فغاں محض ایک ڈرامائی انداز کی تھی۔

[۲۱] یہ کپی ہوئی منی کے پھروں میں ہے کہ شہاب ثاقب کی نویت کے ہوں، اور یہ بھی ممکن ہے کہ آتش فشنی انجیار (Volcanic Eruption) کی بدولت زمین سے نکل کر اڑے ہوں اور پھر ان پر بارش کی طرح برس گئے ہوں، اور یہ بھی ممکن ہے کہ ایک سخت آندھی نے یہ پھراؤ کیا ہو۔
[۲۲] یعنی حجاز سے شام، اور عراق سے مصر جاتے ہوئے یہ تباہ شدہ علاقہ راستے میں پڑتا ہے اور عموماً قافلوں کے لوگ بتاہی کے
اُن آثار کو دیکھتے ہیں جو اس پورے علاقے میں آج تک نمایاں ہیں۔ یہ علاقہ بحر الوط (بحیرہ مردار) کے مشرق اور جنوب میں واقع ہے
اور خصوصیت کے ساتھ اس کے جنوبی حصے کے متعلق جغرافیہ دانوں کا بیان ہے کہ یہاں اس درجہ ویرانی پائی جاتی ہے جس کی نظر رونے
ز میں پر کہیں اور نہیں دیکھی گئی۔

[۲۳] یعنی حضرت شعیب کی قوم کے لوگ۔ اس قوم کا نام بنی مدیان تھا۔ مدین ان کے مرکزی شہر کو بھی کہتے تھے اور ان کے
پورے علاقے کو بھی۔ رہا ایکہ تو یہ تجوہ کا قدیم نام تھا۔ اس لفظ کے لغوی معنی گھنے جنگل کے ہیں۔ آج کل ایک پہاڑی نالے کا نام
ہے جو جبل الموز سے وادی افل میں آ کر گرتا ہے۔

[۲۴] مدین اور اصحاب الائمه کا علاقہ بھی حجاز سے فلسطین و شام جاتے ہوئے راستے میں پڑتا ہے۔

أَصْحَابُ الْجِنْرِ الرُّسُلِينَ ۝ وَاتَّدِنَهُمْ أَيْتَنَا فَكَانُوا عَنْهَا
مُعْرِضِينَ ۝ وَكَانُوا يَنْجِنُونَ مِنَ الْجِبَالِ بِيُوْغًا أَمْتِينَ ۝
فَأَخَذَتِهِمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِينَ ۝ فَمَا أَغْنَى عَنْهُمْ مَا
كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا
بَيْنَهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ ۝ وَإِنَّ السَّاعَةَ لَآتِيهَةٌ فَاصْفَحُ الصَّفْحَ
الْجَمِيلَ ۝ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلُقُ الْعَلِيمُ ۝ وَلَقَدْ أَتَيْنَاكَ

[۲۴] کے لوگ بھی رسولوں کی تکذیب کرچکے ہیں۔ ہم نے اپنی آیات ان کے پاس بھیجیں، اپنی نشانیاں ان کو دکھائیں، مگر وہ سب کو نظر انداز ہی کرتے رہے۔ وہ پہاڑ تراش کر مکان بناتے تھے اور اپنی جگہ بالکل بے خوف اور مطمئن تھے۔ آخر کار ایک زبردست دھماکے نے ان کو صبح ہوتے آلیا اور ان کی کمائی ان کے کچھ کام نہ آئی [۲۵]
ہم نے زمین اور آسمانوں کو اور ان کی سب موجودات کو حق کے سوا کسی اور بنیاد پر خلق نہیں کیا [۲۶] اور فیصلے کی گھری یقیناً آنے والی ہے، پس اے نبی، تم (ان لوگوں کی بیہودگیوں پر) شریفانہ درگز ر سے کام لو۔ یقیناً تمہارا رب سب کا خالق ہے اور سب کچھ جانتا ہے۔ [۲۷] ہم نے تم کو سات ایسی آیتیں دے

[۲۵] یہ قوم شہود کا مرکزی شہر تھا۔ اس کے کھنڈر مدینہ کے شمال مغرب میں موجودہ شہر العلا سے چند میل کے فاصلے پر واقع ہیں۔ مدینہ سے تبوک جاتے ہوئے یہ مقام شاہ راہ عام پر ملتا ہے اور قافلے اس وادی میں سے ہو کر گزرتے ہیں، مگر نبی کی بدایت کے مطابق کوئی یہاں قیام نہیں کرتا۔ آٹھویں صدی ہجری میں ابن بطوطہ حج کو جاتے ہوئے یہاں پہنچا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ ”یہاں سرخ رنگ کے پہاڑوں میں قوم شہود کی عمارتیں موجود ہیں جو انہوں نے چنانوں کو تراش کر ان کے اندر بنائی تھیں۔ ان کے نقش و تکار اس وقت تک ایسے تازہ ہیں جیسے آج بنائے گئے ہوں۔ ان مکانات میں اب بھی سڑی گلی انسانی ہڈیاں پڑی ہوئی ملتی ہیں۔“ (مزید تشریح کے لیے ملاحظہ ہو سورہ اعراف، حاشیہ ۷۵)

[۲۶] یعنی ان کے وہ عکین مکانات جو انہوں نے پہاڑوں کو تراش کر ان کے اندر بنائے تھے ان کی کچھ بھی حفاظت نہ کر سکے۔

[۲۷] یہ بات نبی ﷺ کی تسلیکین و تسلی کے لیے فرمائی جا رہی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس وقت بظاہر باطل کا جو غلبہ تم دیکھ رہے ہو اور حق کے راستے میں جن مشکلات اور مصائب سے تمہیں سابقہ پیش آ رہا ہے، اس سے گھبراو نہیں۔ یہ ایک عارضی کیفیت ہے، مستقل اور دامگی حالت نہیں ہے۔ اس لیے کہ زمین و آسمان کا یہ پورا نظام حق پر تعمیر ہوا ہے نہ کہ باطل پر۔ کائنات کی فطرت حق کے ساتھ مناسب رکھتی ہے نہ کہ باطل کے ساتھ۔ لہذا یہاں اگر قیام و دوام ہے تو حق کے لیے ہے نہ کہ باطل کے لیے۔ (مزید تشریح کے لیے ملاحظہ ہو سورہ ابراہیم، حواشی ۲۵، ۲۶، ۳۵، ۳۹)

[۲۸] یعنی خالق ہونے کی حیثیت سے وہ اپنی مخلوق پر کامل غالب و تسلط رکھتا ہے، کسی مخلوق کی یہ طاقت نہیں ہے کہ اس کی گرفت سے بچ سکے۔ اور اس کے ساتھ وہ پوری طرح باخبر بھی ہے، جو کچھ ان لوگوں کی اصلاح کے لیے تم کر رہے ہو اسے بھی وہ جانتا ہے اور جن

سَبْعًا مِنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ لَا تَمْدَدَّ
عَيْنِيْكَ إِلَى مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَرْوَاجًا مِنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ
عَلَيْهِمْ وَأَخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ ۚ وَقُلْ إِنِّي أَنَا
الشَّدِيدُ الرُّبُّ الْمُبِينُ ۖ كَمَا أَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِينَ ۚ

رکھی ہیں جو بار بار دھرائی جانے کے لائق ہیں، [۴۹] اور تمہیں قرآن عظیم عطا کیا ہے۔ [۵۰] تم اُس متاع دنیا کی طرف آنکھ اٹھا کرند کیجوں جو ہم نے ان میں سے مختلف قسم کے لوگوں کو دے رکھی ہے، اور نہ ان کے حال پر اپنا دل کڑھاؤ۔ [۵۱] انھیں چھوڑ کر ایمان لانے والوں کی طرف جھکوا در (نه مانتے والوں سے) کہہ دو کہ میں تو ”صاف صاف تنبیہ کرنے والا ہوں۔“ یہ اُسی طرح کی تنبیہ ہے جیسی ہم نے ان تفرقة پر دازوں کی طرف پھیجی تھی ہختہ دوں سے یہ تمہاری سمجھی اصلاح کونا کام کرنے کی کوششیں کر رہے ہیں ان کا بھی اسے علم ہے۔ لہذا تمہیں گھبرا نے اور بے صبر ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ مطمین رہو کہ وقت آنے پر ٹھیک ٹھیک انصاف کے مطابق فیصلہ چکا دیا جائے گا۔

[۴۹] یعنی سورہ فاتحہ کی آیات۔ اگرچہ بعض لوگوں نے اس سے مراد وہ سات بڑی بڑی سورتیں بھی لی ہیں جن میں دو سو آیتیں ہیں، یعنی البقرہ، آل عمران، المائدہ، النساء، الانعام، الاعراف اور یونس، یا انفال و توبہ۔ لیکن سلف کی اکثریت اس پر متفق ہے کہ اس سے سورہ فاتحہ ہی مراد ہے۔ بلکہ امام بخاریؓ نے دو مرفع روایتیں بھی اس امر کے ثبوت میں پیش کی ہیں کہ خود ہی نے سبع من المثانی سے مراد سورہ فاتحہ بتائی ہے۔ [۵۰] یہ بات بھی نبی اور آپ کے ساتھیوں کی تکمیل و تسلی کے لیے فرمائی گئی ہے۔ ایک وقت وہ تھا جب حضور اور آپ کے ساتھی سب کے سب انتہائی خستہ حالی میں مبتلا تھے۔ کاربوبت کی عظیم ذمہ داریاں سنبھالتے ہی حضور کی تجارت قریب قریب ختم ہو چکی تھی اور حضرت خدیجہؓ کا سرمایہ بھی دس بارہ سال کے عرصے میں خرچ ہو چکا تھا۔ مسلمانوں میں سے بعض کم سن نوجوان تھے جو گھروں سے کمال دیے گئے تھے، بعض صنعت پیشہ یا تجارت پیشہ تھے جن کے کاروبار معاشری مقاطعہ کی مسلسل ضرب سے بالکل بیٹھ گئے تھے، اور بعض بیچارے پہلے ہی غلام یا موالی تھے جن کی کوئی معاشری حیثیت نہ تھی۔ اس پر مزید یہ ہے کہ حضور سمیت تمام مسلمان لکے اور اطراف و نواح کی بستیوں میں انتہائی مظلومی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ ہر طرف سے مطعون تھے، ہر جگہ تسلیم و تحریر اور تخفیک کا شانہ بنے ہوئے تھے، اور قلبی و روحانی تکلیفوں کے ساتھ جسمانی اذیتوں سے بھی کوئی بچا ہونے تھا۔ دوسری طرف سرداران قریش دنیا کی نعمتوں سے مالا مال اور ہر طرح کی خوش حالیوں میں مگن تھے۔ ان حالات میں فرمایا جا رہا ہے کہ تم شکست خاطر کیوں ہوتے ہو، تم کو تو ہم نے وہ دولت عطا کی ہے جس کے مقابلہ میں دنیا کی ساری نعمتوں پر ہیں۔ رشک کے لائق تمہاری یہ علمی و اخلاقی دولت ہے نہ کہ ان لوگوں کی ماذی دولت جو طرح طرح کے حرام طریقوں سے کمار ہے ہیں اور طرح طرح کے حرام راستوں میں اس کمالی کو اڑا رہے ہیں اور آخرا کہ بالکل مفلس و فلاش ہو کر اپنے رب کے سامنے حاضر ہونے والے ہیں۔ [۵۱] یعنی ان کے اس حال پر نہ گھوکہ اپنے خیرخواہ کو اپنا دشمن سمجھ رہے ہیں، اپنی گمراہیوں اور اخلاقی خرایوں کو اپنی خوبیاں سمجھے بیٹھے ہیں، خود اس راستے پر جا رہے ہیں اور اپنی ساری قوم کو اس پر لیے جا رہے ہیں جس کا یقینی انجام بلا کرت ہے، اور جو شخص انہیں سلامتی کی راہ دکھا رہا ہے اس کی سمجھی اصلاح کونا کام بنانے کے لیے ایزی چوٹی کا زور صرف کیے ڈالتے ہیں۔

الَّذِينَ جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِينَ ۚ ۖ فَوَرَّيْكَ لَنْسَكَلَتَهُمْ
 نَزَّلَ أَجْمَعِينَ ۖ لَا عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۖ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمِنُ
 وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ ۖ إِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ ۖ
 الَّذِينَ يَجْعَلُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا أُخْرَ فَسُوفَ يَعْلَمُونَ ۖ وَلَقَدْ
 نَعْلَمُ أَنَّكَ يَضْعِقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُولُونَ ۖ فَسَيَّخْ بِحَمْدِ رَبِّكَ
 وَكُنْ مِنَ الشَّاجِدِينَ ۖ وَاعْبُدْ رَبِّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ ۖ

جنہوں نے اپنے قرآن کو نکلے ٹکڑے کر دالا ہے۔ [۵۲] تو قسم ہے تیرے رب کی، ہم ضرور ان سب سے پوچھیں گے کہ تم کیا کرتے رہے ہو۔

پس اے نبی، جس چیز کا تمہیں حکم دیا جا رہا ہے اُسے ہانکے پکارے کہہ دو اور شرک کرنے والوں کی ذرا پرواہنا کرو۔ تمہاری طرف سے ہم اُن مذاق اڑانے والوں کی خبر لینے کے لیے کافی ہیں، جو اللہ کے ساتھ کسی اور کو بھی خدا قرار دیتے ہیں۔ غنقریب انہیں معلوم ہو جائے گا۔

ہمیں معلوم ہے کہ جو باتیں یہ لوگ تم پر بناتے ہیں ان سے تمہارے دل کو سخت کوفت ہوتی ہے۔ (اس کا علاج یہ ہے کہ) اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو، اس کی جناب میں سجدہ بجالاؤ، اور اُس آخری گھری تک اپنے رب کی بندگی کرتے رہو جس کا آنا یقینی ہے۔ [۵۳]

[۵۲] اس گروہ سے مراد یہود ہیں۔ ان کو مُفْتَسِسِینَ اس معنی میں فرمایا گیا ہے کہ انہوں نے دین کو تقسیم کر دالا، اس کی بعض باتوں کو مانا، اور بعض کو نہ مانا، اور اس میں طرح طرح کی کی ویسی کر کے بیسوں فرقے بنالیے۔ ان کے ”قرآن“ سے مراد تورات ہے جو ان کو اُسی طرح دی گئی تھی جس طرح امت محمدیہ کو قرآن دیا گیا ہے۔ اور اس ”قرآن“ کو نکلے ٹکڑے کر دالنے سے مراد وہی فعل ہے جسے سورہ بقرہ، آیت ۸۵ میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ اَفَتُوْمُونَ بِعَضِ الْكِتَبِ وَتَكْفُرُونَ بِعَضِ ”کیا تم کتاب اللہ کی بعض باتوں پر ایمان لاتے ہو اور بعض سے کفر کرتے ہو؟“ پھر یہ جو فرمایا کہ یہ تنبیہ جو آج تم کو کی جا رہی ہے یہ وہی ہی تنبیہ ہے جیسی تم سے پہلے یہود کو کی جا چکی ہے، تو اس سے مقصود و راصل یہود کے حال سے عبرت دلانا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہود یوں نے خدا کی بھیجی ہوئی تنبیہات سے غفلت بر ت کر جو انجام دیکھا ہے وہ تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے۔ اب سوچ لو، کیا تم بھی یہی انجام دیکھنا چاہتے ہو؟

[۵۳] یعنی تبلیغ حق اور دعوت اصلاح کی کوششوں میں جن تکلیفوں اور مصیبتوں سے تم کو ساقہ پیش آتا ہے، ان کے مقابلے کی طاقت اگر تمہیں مل سکتی ہے تو صرف نماز اور بندگی رب پر استقامت سے مل سکتی ہے۔ یہی چیز تمہیں تسلی بھی دے گی، تم میں صبر بھی پیدا کرے گی، تمہارا حوصلہ بھی بڑھائے گی، اور تم کو اس قابل بھی بنادے گی کہ دنیا بھر کی گالیوں اور مذمتوں اور مزاحموں کے مقابلے میں اس خدمت پر ڈلنے رہو جس کی انجام دہی میں تمہارے رب کی رضا ہے۔